

## قائد کی بیٹی!

بارہ سال قبل نیپالا ہور میں ٹریننگ کیلئے گیا تھا۔ میجر جنل ریٹائرڈ شامی ادارہ کے انچارج تھے۔ ایک مختی اور شریف انسان۔ پوری عمر فوجی اداروں میں تربیت دینے کا مشکل کام کرتے رہے اور پھر نیپالا ہور میں بھی یہی کام کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو شائد علم نہیں کہ سرکاری ملازم کو کیرز کے عین درمیان میں ٹریننگ دینا کتنا مشکل کام ہے۔ بگڑے ہوئے افسر کس تربیت سے ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ یہ بذات خود ایک سوالیہ نشان ہے۔ جنل شامی اپنے کام پر بے حد مرکوز رہتے تھے۔ ایک دن کلاس میں آئے اور اعلان کیا کہ آنے والے دن میں قائد اعظم کے اولین اے۔ ڈی۔ سی۔ لیکھر دینے کیلئے آئیں گے۔ انہیں پنڈی سے آنا تھا اور فوج میں بریگیڈر سے ریٹائر ہوئے کافی عرصہ ہو چکا تھا۔

اگلے دن، وقت مقررہ پر ایک بوڑھا سا انسان کلاس میں داخل ہوا۔ اس نے پرانی وضع کا کوٹ پہن رکھا تھا۔ صاف ستر اساقدیم وضع کا فوجی افسر۔ کسی بھی سہارے کے بغیر چستی سے چلتا ہوا کلاس میں اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گیا۔ تسلی سے تمام طالبعلمون کی طرف دیکھا۔ لفظ طالبعلم مناسب نہ ہو یا شائد بہت مناسب ہو۔ یہ تمام سول افسران تھے جو انیس گریڈ سے بیس گریڈ کی ترقی کیلئے مختص کورس کر رہے تھے۔ اس بزرگ آدمی میں کوئی بھی خاص بات نہیں تھی۔ شائد کوئی عام بات بھی نہیں تھی۔ تعارفی کلمات میں شامی صاحب نے بتایا کہ یہ پاکستان بننے کے بعد قائد اعظم کے اے۔ ڈی۔ سی۔ کے طور پر کام کرتے رہے۔ بلکہ انکی رحلت کے بعد، شائد اگلے گورنر جزل سے بھی تھوڑے عرصے کیلئے منسلک رہے۔ بریگیڈر صاحب نے اے۔ ڈی۔ سی۔ لگنے کا پورا واقعہ بڑے تھل سے سنایا۔ جیسے جیسے وہ مہذب انسان بولتا جا رہا تھا، ہم تمام لوگ دم بخود ہو کر سحرزادہ ہو رہے تھے۔ کہنے لگے کہ کونکہ میں تھا تو پیغام ملا کہ فوراً کراچی پہنچو۔ کیونکہ آپکا انٹرو یو ہے اور قائد اعظم انٹرو یو بھی بذات خود کریں گے۔ جوان فوجی افسر حیران ہو گیا، کہ کہاں وہ اور کہاں بر صغیر کا سب سے معتربر آدمی۔ کیا با تین پوچھی جائیں گے۔ جواب کیا ہوں گے۔ اسی ڈنی تشنگی میں کراچی پہنچ گیا۔ گورنر جزل ہاؤس میں پہنچا تو پیغام ملا کہ قائد مقررہ وقت پر انہیں دفتر میں بلا کر کچھ پوچھیں گے۔ وہ اور گھبرا گیا۔ خیر عین وقت پر دربان نے دروازہ کھولا اور قائد کے سامنے پیش ہو گیا۔ سیلوٹ مارنے کے بعد قائد نے رسی سی با تین کیں۔ بریگیڈر صاحب با تین کرتے کرتے خاموش ہو گئے۔ انکی آنکھوں میں پانی اُتر چکا تھا۔ کہنے لگے کہ قائد کی آنکھیں اس درجہ طاقتور تھیں کہ لگتا تھا کہ جسم کو پار کر کے دیوار تک جا رہی ہیں۔ تقریباً گرنے والا ہو چکا تھا۔ قائد نے نام وغیرہ پوچھا اور اپنے ساتھ کام کرنے کیلئے بطوراے۔ ڈی۔ سی۔ منتخب کر لیا۔ اب اس نوجوان فوجی افسر کی زندگی کا وہ دور شروع ہو گیا، جس نے اسے ہمیشہ کیلئے تبدیل کر دیا۔ اس وقت جزئیات بیان نہیں کرنا چاہتا کیونکہ لکھنے کا اصل مقصد قائد کی اکلوتی بیٹی ڈینا واڈیا کے متعلق گزارشات پیش کرنا ہے۔ بیگم واڈیا گز شتر روز نیو یارک میں جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ یخربدل چیرگئی۔ ایسے لگا کہ کوئی قربی رشتہ ٹوٹ گیا ہے۔ احساس ہی نہیں ہوا کہ ڈینا واڈیا تو میرے لیے بالکل اجنبي تھیں۔

بات اے۔ ڈی۔ سی۔ کی ہو رہی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ قائد اعظم کے انتقال پر ڈینا آخری رسومات کیلئے کراچی آئیں تھیں۔ عام

لوگوں کی طرح اس فوجی افسر کا بھی یہی خیال تھا کہ قائد کی اپنی اکلوتی اولاد سے بہت اچھے تعلقات نہیں تھے۔ مگر ڈینا جس طرح اپنے والد کی وفات پر بخوبیہ تھی، وہ قربی جذباتی لگاؤ کی غمازی کر رہا تھا۔ ڈینا بار بار آنسوؤں سے لمبڑے آنکھوں سے والد کی تصاویر یا اور انکے روزمرہ کے استعمال کرنے کی اشیاء کا کمال محبت سے اٹھا کر رہی تھی۔ جب بھی قائد چھٹیوں پر ملک سے باہر جاتے تھے تو پچھی ہمراہ ہوتی تھی۔ انکی کوشش ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ وقت، بیٹی کے ساتھ گزاریں کیونکہ عام زندگی میں اس درجہ مصروفیات ہوتی تھیں کہ شاہزادیاں توجہ دے نہیں پاتے تھے۔ ویسے لگتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے عظیم کارنا مے سراجام دینے ہوں، جو ہری طور پر روایتی ماں یا باپ نہیں ہوتے۔ ڈینا جنازہ کے بعد کراچی کے گورنر جنرل ہاؤس میں بار بار کہتی تھیں۔ یہ قالین والد نے میری فرمائش پر فرانس سے خریدا تھا۔ آنکھوں میں آنسو لیے یہ بھی کہتی تھیں کہ نیلے رنگ کا گلدان والد نے میری ضد پرائلی سے خریدا تھا۔ ڈینا اپنے والد کے نفسی ذوق سے حد درجہ متاثر تھیں۔ انہیں آز بر یاد تھا کہ قائد کے استعمال میں آنے والی اشیاء کب اور کہاں سے خریدی گئیں۔ نوجوان اے۔ ڈی۔ سی۔ کیلئے یہ بھی ایک عجیب سی بات تھی کہ قائد کی اکثر چیزوں میں بیٹی کی فرمائش جھلک رہی تھی۔ انکے مطابق قائد ڈینا سے حد درجہ محبت کرتے تھے۔ اسکی کہی ہوئی بات کوٹلتے نہیں تھے۔ بریگیڈ ر صاحب ایک ڈیڑھ گھنٹہ قائد اعظم، ڈینا اور محترم فاطمہ جناح کی باتیں بتاتے رہے۔ لیکھر کے اختتام پر تمام لوگ اشکبار تھے۔

میری نظروں کے سامنے ایک الہم کھلی ہوئی ہے۔ اس میں قائد اعظم اور ڈینا کی بہت سی تصاویر ہیں۔ کچھ تقسیم بر صغیر سے پہلے کی اور کچھ بعد کی۔ ڈینا دوبار پاکستان تشریف لائیں۔ ایک بار اپنے والد کی رحلت پر اور دوسری بار 2004 میں۔ پاکستان بننے سے پہلے کی ایک انتہائی دل آور یہ تصویر سامنے رکھی ہے۔ اس میں قائد ایک کرسی پر تشریف فرمائیں۔ تھری پیس سوٹ اور دور نگہ خوبصورت جو تے پہن رکھے ہیں۔ کرسی کے بالکل ساتھ ڈینا کھڑی ہوئی ہے۔ حد درجہ خوبصورت اور پرکشش نوجوان لڑکی۔ مغربی لباس میں ملبوس ڈینا کے چہرے پر دلاوری مسکراہٹ ہے۔ گلے میں ایک خوبصورت سکارف پہن رکھا ہے۔ ڈینا اور قائد کے سامنے انکے پالتوکتے بھی موجود ہیں۔ دونوں کے پیچھے ایک دیدہ زیب بڑھا ہے۔ یہ ایک نایاب تصویر ہے جس سے باپ کی شفقت اور ڈینا کا اپنے والد سے لگاؤ صاف نظر آ رہا ہے۔ کیمرے نے یہ لمحہ تاریخ میں ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دیا ہے۔ صاحب، کیا شاندار لوگ تھے۔ کیا وقار اور نفاست تھی۔ کیا وقت تھا۔ تصویر میرے ذہن پر نقش ہو چکی ہے۔ اس طرح ایک دوسری تصویر بھی موجود ہے۔ قائد، محترمہ فاطمہ جناح اور ڈینا کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ بھی پاکستان بننے سے پہلے کی تصویر ہے۔ قائد حسب معمول ایک عمدہ سوٹ میں ملبوس ہیں۔ محترمہ فاطمہ جناح نے ساڑھی زیب تن کی ہوئی ہے۔ ڈینا قائد اعظم کے ساتھ کھڑی ہیں۔ انکے ہاتھوں میں ایک نفسی پرس ہے۔ انہوں نے ایک ہاتھ پرس میں ڈال رکھا ہے اور دوسرے ہاتھ پر سکارف موجود ہے۔ ڈینا نے جو کوٹ پہن رکھا ہے، اس پر ایک خوبصورت نیچ یا پچھوں لگا ہوا ہے۔ ڈینا کے چہرے پر کمال مسکراہٹ ہے۔ فاطمہ جناح بھی مسکرا رہی ہیں۔ دوسلوں پر منی یہ لا زوال تصویر کمال حد تک پرکشش ہے۔ ایک اور نایاب تصویر بھی میرے سامنے موجود ہے۔ جس میں ڈینا دیدہ زیب ساڑھی میں ملبوس اقوام متحده کے جزل سیکرٹری کرتے والدیم سے مصروف گفتگو ہیں۔ یہ 1976 کی تصویر ہے۔ لگتا ہے کہ کسی عشاہی کے دوران بات چیت کرتے ہوئے کھنچی گئی ہے۔ آخر میں

قائد کی قبر پر پھول چڑھاتے ہوئے غمزدہ ڈینا کی لازوال عکاسی۔ کالے لباس میں ملبوس ڈینا غم کی مکمل تصویر نظر آ رہی ہے۔ چہرے پر دکھ اور ملال دیکھا جا سکتا ہے۔ آنکھوں میں آب روائیں ہیں۔

جب ڈینا 2004 میں پاکستان تشریف لائیں تو قائد کے مزار پر بھی گئیں۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا محسوس کر رہی ہیں۔ ڈینا کا جواب تھا کہ یہ میری زندگی کے مشکل ترین لمحوں میں سے ایک ہے۔ مزار پر جا کر اپنے والد کو مکمل تعظیم پیش کی۔ اس وقت تک ڈینا کافی ضعیف ہو چکی تھیں۔ لاہور بھی آئیں اور یہاں بھی کافی مقامات پر گئیں۔ ڈینا وقت کے ساتھ ساتھ والد کی شکل کی مانند ہو چکی تھیں۔ اگر انی 2004 کی تصاویر پر غور کریں تو آپ کو قائدِ اعظم کی شکل اور ڈینا کی شکل میں ایک قدرتی مشاہدہ نظر آتی ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ سر کے سفید اور کالے بالوں کا امتزاج بھی والد سے ملتا جلتا تھا۔ وقت گزرنے کی بدولت انکی شخصیت میں وقار اور ٹھہراؤ کی آمیزیش بھی نظر آتی تھی۔ ایک ایسا رچا و جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کے دورہ میں ڈینا کو بے پناہ خلوص، محبت اور احترام ملا۔ لوگ انہیں دیکھنے کیلئے دیوانہ وار جمع ہو جاتے تھے۔ یہ احترام دل سے تھا۔ اس میں کسی قسم کی ملاوٹ یا دکھاوانہ نہیں تھا۔ ڈینا و ڈیا کی لاہور اور کراچی میں مختلف مقامات پر تصویریں اس امر کی غمازی کرتی ہیں کہ لوگ قائد اور ان سے مسلک لوگوں سے کس قدر عشق کرتے ہیں۔ آج کل کے دور کی طرح نہیں جہاں عوام کو لا ج دیکر جعلی عزت کے نثارے بجوائے جاتے ہیں۔ یا جو تے مار مار کر عزت حاصل کرنے کی بے مراد کوشش کی جاتی ہے۔ عوام کو زندہ درگور کر کے اعلان کیا جاتا ہے کہ انکے تمام مسائل حل ہو چکے ہیں۔ کاروباری اداروں کو بر باد کر کے بتایا جاتا ہے کہ ملک ترقی کی راہ پر سر پٹ دوڑ رہا ہے۔ خیر آج کی منافقت کا موازنہ ان لوگوں سے کرنا، جنہوں نے یہ ملک بنایا تھا، حد رجہ بے محل اور غیر منطقی ہے۔ کہاں وہ لوگ جو اپنی تمام دھن دولت اور جائیداد پاکستان پر وار گئے۔ اور کہاں ڈاکوٹیرے جو اس ملک کا خون چوں کر کر کھ پتی سے کھرب پتی ہو گئے۔

ڈینا اپنی عمر پوری کر کے خالق حقیقی سے جا ملیں ہیں۔ پاکستان میں ہر شخص ان کی موت پر پُر ملال ہے۔ کیا ہوا، کہ وہ پاکستان بہت کم آئیں۔ کیا ہوا، کہ انکے متعلق بہت کم معلومات ہیں۔ کیا ہوا، کہ ان سے تعلق صرف تصویروں کی حد تک موجود ہے۔ مگر صاحب، دل تو اس موت پر اسی طرح رورہا ہے جس طرح بارہ سال پہلے کلاس روم میں قائد کے اے۔ ڈی۔ سی بلک بلک کے گریہ کر رہے تھے۔ ڈینا تھی تو ہمارے کی قائد کی اکلوتی اولاد، ہمارے لیے ایک عظیم سرمایہ!

راوٰ منظر حیات